شبیر احمد خان غوری

علمِ کلام کا آغاز و ارتقاء

(۴)

عہدِ آخر ——— ہندوستان

ہندوستان میں علم کلام کے عہد آخر کی تشکیل میں ایک حد تک اُن روایات نے حصہ لیا ہے جنہیں محقق دوانی کے تلامذہ دسویں صدی ہجری میں اپنے ساتھ لائے تھے۔ چنانچہ آج برصغیر میں شاید ہی کوئی عربی مدرسہ ہو جس کا سلسلہ تلمذ محقق دوانی تک نہ پہنچتا ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے

برصغیر کے علمی مراکز کا سلسلہ تلمّذ

برصغیر کے علمی مراکز چار سلسلوں میں منسلک ہیں: (۱) شاہ ولی اللہؒ کا سلسلہ جس میں دہلی، دیوبند، سہارنپور اور اُن کے متوسلین محسوب ہوتے ہیں (۲) سلسلہ مفتی لطف اللہؒ علی گڑھی (۳) خاندان فرنگی محل اور (۴) خاندان خیرآباد۔

استاذ العلماء مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم و مغفور شاگرد تھے مفتی عنایت اللہ صاحب کاکوروی کے جو شاگرد تھے مولانا بزرگ علی صاحب مارہروی کے۔ مولانا بزرگ علی شاگرد تھے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے اور وہ شاگرد تھے اپنے پدر بزرگوار شاہ ولی اللہؒ صاحب کے۔ اس طرح سلسلہ لطف اللہی شاہ ولی اللہ کے سلسلے میں منسلک ہو جاتا ہے۔

اسی طرح خاندان خیرآباد آخر میں خاندان فرنگی محل میں مل جاتا ہے کیونکہ اس علمی خاندان کے بانی خاتم المتکلمین مولانا فضل حقؒ خیرآبادی تھے۔ مولانا فضل حق شاگرد تھے اپنے پدر بزرگوار مولانا فضل امامؒ کے جو شاگرد تھے مولانا عبدالواجد کرمانیؒ کے۔ مولانا عبدالواجد کرمانی شاگرد تھے ملا محمد اسلم سندیلوی کے جو شاگرد تھے مولانا کمال الدین سہالوی کے اور وہ شاگرد تھے ملا نظام الدین سہالوی بانی خاندان فرنگی محل کے۔

اس طرح آخر میں دو سلسلے رہ جاتے ہیں (ا) سلسلہ شاہ ولی اللہی اور (ب) خاندان فرنگی محل۔

شاہ ولی اللہ فنونِ دانشمندی (معقولات و علم کلام) میں شاگرد تھے اپنے پدر بزرگوار شاہ عبدالرحیمؒ کے۔ شاہ عبدالرحیمؒ شاگرد تھے میر زاہد ہروی (مصنف میر زاہد امور عامہ، میر زاہد ملا جلال، میر زاہد رسالہ اور محشی شرح ہیاکل النور

کے ۔ میر زاہد شاگرد تھے میر محمد فاضل بدخشی کے جو پہلے شاگرد تھے مرزا جان شیرازی کے اور اُن کے بعد مرزا جان شیرازی کے شاگرد ملّا وجیہہ کے ۔ مرزا جان شیرازی شاگرد تھے خواجہ جمال الدین محمود شیرازی کے ۔

ملا نظام الدین شاگرد تھے اپنے پدر بزرگوار ملا قطب الدین شہید سہالوی کے اور ملا امان اللہ بنارسی کے جو شاگرد تھے مولانا دانیال چوراسی کے ۔ مولانا دانیال شاگرد تھے مفتی عبدالسلام دیوی کے اور وہ شاگرد تھے مولانا عبدالسلام لاہوری کے ۔ مولانا عبدالسلام لاہوری شاگرد تھے امیر فتح اللہ شیرازی کے جنہوں نے پہلے خواجہ جمال الدین محمود شیرازی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا بعدازاں میر غیاث الدین منصور، کمال الدین مسعود شروانی اور مولانا کرد کے شاگرد ہوئے ۔

اس طرح دونوں سلسلے (سلسلہ شاہ ولی اللہی اور خاندان فرنگی محل) خواجہ جمال الدین محمود تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ شاگرد تھے محقق دوّانی کے ۔ اس طرح ہندوستان کے مدارس عربیہ کا سلسلہ محقق دوّانی تک پہنچتا ہے ۔

خواجہ جمال الدین محمود شیرازی صفوی تعصّب سے پریشان ہوکر آخر میں ہندوستان تشریف لائے تھے ۔ محقق دوّانی کے دوسرے شاگرد میر رفیع الدین شیرازی بھی اُن کے ہمراہ تھے ۔ میر رفیع الدین سکندر لودھی کے زمانہ میں آگرہ آئے جہاں ان سے میاں حاتم سنبھلی نے کسب فیض کیا ۔ محقق دوّانی کے ایک اور شاگرد ملا عماد طارمی گجرات آئے جہاں شیخ وجیہہ الدین علوی نے اُن سے درسیات کی تکمیل کی ۔ محقق دوانی کے دو اور شاگرد ابوالفضل گازرونی اور ابوالفضل استرآبادی بھی گجرات آئے ۔ گازرونی سے شیخ مبارک بن خضر ناگوری نے اور استرآبادی سے ابوالقاسم عبدالعزیز وزیر گجرات نے علم حاصل کیا ۔

خواجہ جمال الدین محمود اور میر غیاث الدین منصور کے شاگرد امیر فتح اللہ شیرازی تھے ۔ امیر فتح اللہ کے شاگرد امیر عنایت اللہ شیرازی تھے جو بعہد علی عادلشاہ دکن آئے اور ترقی کرتے کرتے نائب مملکت ہو گئے ۔ انہیں نے امیر فتح اللہ کو ایران سے دکن بلا بھیجا مگر علی عادلشاہ کی وفات پر جب بدامنی پھیلی تو امیر عنایت اللہ قتل ہو گئے اور امیر فتح اللہ پہلے مرزا عبدالرحیم خانخاناں کے پاس گجرات آئے پھر اکبر کی طلب پر ۹۹۶ھ میں لاہور پہنچے جہاں مولانا عبدالسلام لاہوری نے زانوئے تلمذ تہ کیا اور اس طرح ہندوستان کے ایک مشہور علمی سلسلے کی بنیاد پڑی ۔ امیر فتح اللہ شیرازی ہی نے ہندوستان میں علمائے ایران کی کتب معقولات کو متعارف کرایا ۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے

"تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدرالدین و میر غیاث الدین منصور و مرزا جان و امیر فتح اللہ شیرازی) بہندوستان و در حلقہ درس انداخت ۔"

ایران کے اور علماء بھی تشریف لائے ۔ ان میں شیخ ہبۃ اللہ شیرازی المعروف بشاہ میر جو صدرالدین شیرازی صاحب "اسفار اربعہ" کے استاد بھائی تھے خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ وہ ۸۹۸ھ میں محمود بیگڑہ کے عہد سلطنت میں گجرات تشریف لائے اور کچھ ہی دنوں میں اُن کو علم و فضل کا شہرہ سن کر ہر طرف سے طلبۂ علم آنا شروع ہو گئے ۔

ایران کے علاوہ ماوراء النہر سے بھی شیخ احمد جند، ملا محمد سرخ اور عصام الدین اسفرائنی کے تلامذہ ہندوستان تشریف لائے۔ ان میں مولانا محمد سعید ترکستانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک اور فاضل مولانا یونس سمرقندی مرزا حسین شاہ سندی کے دربار میں آئے اُن سے مرزا حسین شاہ نے شرح المواقف پڑھی۔

لیکن قبول عام اور بقائے دوام کا شرف صرف دو ہی بزرگوں کو حاصل ہوا وہ مرزا جان شیرازی اور امیر فتح اللہ شیرازی ہیں۔ ہندوستان کے اندر علم کلام کے عہد آخر کی تشکیل میں ان دونوں کے تلامذہ نے خصوصی خدمات انجام دی ہیں۔ با ایں ہمہ اس تشکیل جدید میں مقامی روایات کا حصّہ بھی غیر اہم نہیں ہے۔ اس لیے مستحسن معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی ہجری سے قبل کی عام ثقافتی روایات بالخصوص متقدمین علمائے ہند کی کلامی مساعی پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

ہندوستان میں اسلامی ثقافت کا آغاز

عہد حاضر میں عرب و ہند کے تعلقات کا آغاز ۹۳ھ سے ہوتا ہے جب کہ عربوں نے محمد بن قاسم کی زیر سرکردگی سندھ پر باقاعدہ حملہ کیا اگرچہ ہنگامی یورشوں کا سلسلہ تو ۱۵ھ ہی سے شروع ہو گیا تھا[1]۔ محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں سندھ اور ۹۵ھ میں ملتان فتح کیا۔ اُس نے ملک گیری ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت پر بھی خصوصیت سے توجہ کی چنانچہ اس نے حجاج کو جو رپورٹ بھیجی تھی اُس میں لکھا تھا:

"ہر ضروری مقام پر مسجدیں بنا دی گئیں جہاں اذان اور خطبے وقت پر ہوتے ہیں"[2]

یہی مساجد آگے چل کر اسلامی تعلیمات کا مرکز بنیں۔ فاتحین کی تبلیغی مساعی نے مقامی آبادی میں اسلامی ثقافت کی ترقی و اشاعت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ چنانچہ امام اوزاعی جن کے متعلق امام ذہبی نے خریبی کا قول نقل کیا ہے کہ "کان الاوزاعی افضل اهل زمانہ سندھ ہی کے باشندے تھے۔ و اصلہ من سبی السند"[3]

حدیث کے ساتھ علم کلام میں بھی سندھ کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ کلامی تفکیر کا قدیم ترین نمایندہ جس کی کلامی سرگرمیوں سے ہم واقف ہیں واصل بن عطاء الغزال تھا۔ واصل کا ساتھی اور دست راست عمرو بن عبید بن باب تھا۔ عمرو بن عبید سندھ ہی کا ایک نامور فرزند تھا جس کا دادا موالی کے زمرے میں کابل سے عراق لے جایا گیا تھا۔ چنانچہ مسعودی کہتا ہے:

"وهو عمرو بن عبيد بن باب مولى بني تميم وكان جده باب من سبي كابل من رجال السند - وكان شيخ المعتزلة ومفتيها وله خطب ورسائل"[4]

وہ عمرو بن عبید بن باب ہے جو بنو تمیم کا مولیٰ تھا۔ اُس کا دادا باب سندھی لوگوں میں سے تھا اور کابل کے جنگی قیدیوں میں آیا تھا۔ عمرو بن عبید معتزلہ کا پیشوا اور مفتی تھا۔ اس نے متعدد خطبے اور رسالے مرتب کئے تھے۔

---

[1] فتوح البلدان للبلاذری ص۴۳۸ [2] چچ نامہ ص۵۵ بحوالہ تاریخ سندھ ص۹۰ [3] تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد اول ص۱۶۱ [4] مروج الذہب برحاشیہ کامل ابن اثیر جلد ثامن ص۹۰۔

ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت کا قیام

محمد بن قاسم کی فتوحات کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا کیونکہ وہ جلد ہی معزول ہو گیا۔ ۱۱۱ھ میں سندھ اور ملتان دونوں علٰحدہ ہو گئے۔ ۱۳۲ھ میں امویوں کے بجائے عباسی خلیفہ ہوئے اور اس طرح سندھ عباسی خلافت کا صوبہ بن گیا مگر کچھ عرصے بعد سندھ کے عرب خاندانوں میں یمنی و نزاری تعصب نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی۔ جو گورنر بھی بھیجا گیا ناکام ہوا۔ آخر کار ۲۴۷ھ میں متوکل باللہ نے مجبور ہو کر ایک مقامی امیر عمر بن عبدالعزیز الہباری کو سندھ کا نیم خود مختار حاکم تسلیم کر لیا اور اس طرح ہندوستان میں پہلی مستقل اسلامی سلطنت کا قیام ظہور میں آیا۔ ہبّاری حکومت چوتھی صدی کے ختم ہونے تک قائم رہی۔ ملتان میں چوتھی صدی کے ربع ثالث تک بنو منبہ کی سنّی حکومت تھی جس کا خاتمہ اسمٰعیلی داعی جلم بن شیبان نے کیا۔ اُسی نے ملتان کے قدیم بت کو توڑا چنانچہ البیرونی نے "کتاب الہند" میں لکھا ہے:

"فلما استولت القرامطة علی الملتان کسر جلم بن شیبان المتغلب ذالک الصنم وقتل سدنته" [1]

جب قرمطی (اسماعیلی) ملتان پر قابض ہو گئے تو (اُن کے سردار) جلم بن شیبان نے جو ناجائز طور پر یہاں قابض ہو گیا تھا اس (ملتان کے قدیم بت) بت کو توڑ ڈالا اور اس کے پجاریوں کو قتل کر ڈالا۔

لیکن جلم کے جانشینوں کی دسیسہ کاریوں سے تنگ آ کر محمود غزنوی نے ۴۱۰ھ میں ملتان پر حملہ کر کے اُسے تہس نہس کر کر ڈالا۔ یہاں سے خاسر و خائب ہو کر اسماعیلیوں نے منصورہ (سندھ) پر قبضہ جما لیا۔ اُن کی معاندروش اب بھی برقرار رہی۔ لہٰذا ۴۱۵ھ میں محمود نے منصورہ پر حملہ کر کے اُسے بھی غزنی کی سلطنت میں داخل کر لیا۔

چوتھی صدی میں سندھ کی تعلیمی حالت بہت اچھی تھی۔ دنیائے اسلام کے دیگر علاقوں کی طرح یہاں بھی کثیر تعداد میں مدارس تھے۔ مقدسی کہتا ہے کہ اہل منصورہ (سندھ) کے یہاں علم اور علماء کی کثرت ہے۔ اُس نے خصوصیت سے منصورہ کے قاضی ابو محمد داؤدی کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے جس میں وہ خود درس دیتے تھے[2]۔ سندھ میں دو شہر بہت زیادہ مردم خیز تھے: دیبل اور منصورہ۔ یہاں کے اکابر کا ذکر سمعانی نے دنیائے اسلام کے دیگر فحول علماء کے دوش بدوش کیا ہے[3]۔ سندھی علماء کے علاوہ دار الخلافہ سے بھی اہل علم نے آ آ کر سندھ کے علمی خاندانوں میں اضافہ کیا۔ ان میں قاضی محمد بن ابی الشوارب کا خاندان اور شیخ بہاؤ الدین زکریا کے اسلاف خاص طور سے مشہور ہیں۔

ہبّاری خاندان کا دوسرا حکمران عبداللہ بن عمر تھا۔ اُس سے الرور کے راجہ مہرک بن رایق نے درخواست کی تھی کہ سندھی زبان میں اسلام کی تعلیمات مرتب کر کے اسے بھیج دی جائیں۔ عبداللہ بن عمر کے ایما سے ایک عراقی نژاد

---

[1] کتاب الہند للبیرونی ص۵۶ [2] احسن التقاسیم للمقدسی ص۴۸۱ [3] الانساب للسمعانی ورق ۲۳۶ و ۵۴۳۔

عالم نے جو مقامی زبانوں سے بھی واقف تھے تعلیماتِ اسلام پر ایک قصیدہ لکھا۔ جب یہ قصیدہ مہروک بن رایق کے پاس پہنچا تو وہ اُسے پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔[1] سندھی زبان میں یہ پہلی اسلامی تصنیف تھی جس کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس طرح عقائدِ اسلام پر پہلی کتاب ہندوستان میں ۲۷۰ھ میں تصنیف کی گئی اور اس کے ساتھ سرزمین ہند پر علم کلام کا آغاز ہوا۔

سمعانی نے کتاب الانساب میں علمائے سندھ کا ایک مختصر تذکرہ دیا ہے۔ ان میں ایک متکلم بھی ہیں۔ ان کا نام ابونصر الفتح بن عبداللہ السندی تھا۔ سمعانی نے لکھا ہے

"الفقیہ ابونصر الفتح بن عبداللہ السندی کان فقیھا "متکلما"۔[1]

چونکہ اس تذکرے میں صرف یہی اکیلے سندھی متکلم ہیں لہٰذا قیاس مقتضی ہے کہ یہ متکلمین اسلام میں ایک نمایاں شہرت رکھتے ہوں گے۔ غالباً ان کا زمانہ چوتھی صدی کا نصف اوّل تھا۔

غزنوی اور غوری سلاطین

غزنوی خاندان کا بانی سبکتگین ۳۶۶ھ میں غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ اُس نے ۳۸۷ھ میں وفات پائی اور اُس کا بیٹا محمود اُس کا جانشین ہوا۔ اُس کے پے در پے حملوں سے برصغیر کا شمال مغربی حصّہ غزنوی حکومت میں شامل ہوگیا۔ اور بادشاہِ غزنی کا ایک نائب لاہور میں رہنے لگا۔ اس طرح اسلامی ثقافت کا مرکز منصورہ اور ملتان سے لاہور میں منتقل ہوگیا۔ محمود نے ۴۲۱ھ میں وفات پائی۔ اُس کے بعد اس کے جانشینوں کو دو دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ سلاجقہ اور غوری حکمراں۔ مسلسل جنگوں نے انہیں زبوں حال کر دیا۔ یہاں تک خسرو شاہ غزنوں کے حملے سے پریشان ہو کر لاہور میں پناہ گزین ہوا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا خسرو ملک لاہور ہی میں باپ کا جانشین ہوا مگر ۵۸۳ھ میں سلطان معزالدین محمد سام نے لاہور پر حملہ کیا اور خسرو ملک کو گرفتار کر کے غزنی بھیج دیا۔ اس طرح غزنوی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

سلطان معزالدین محمد سام ۵۶۹ھ میں غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ ۵۷۱ھ میں اس نے ملتان کو قرامطہ (اسماعیلیہ) سے جو پھر وہاں قابض ہوگئے تھے چھینا۔ ۵۸۰ھ میں دیول پر حملہ کیا۔ ۵۸۳ھ میں لاہور کو فتح کر کے علی کرماخ کو نائب السلطنت اور قاضی منہاج سراج کے والد سراج الدین منہاج کو قاضی لشکر مقرر کیا۔ ۵۸۸ھ میں ترائن کی لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں اجمیر، سوالک، ہانسی اور سرستی کا علاقہ غوری حکومت میں داخل ہوگیا۔ اگلے سال قطب الدین ایبک نے میرٹھ، دہلی اور کول (علی گڑھ) کو فتح کیا۔ ۵۹۰ھ میں سلطان نے بنارس اور قنوج کو مفتوح کیا۔ غرض چھٹی صدی ہجری ختم ہوتے ہوتے شمالی ہندوستان کا بڑا حصّہ غوری حکومت میں داخل ہوگیا۔ سلطان معزالدین سام

---

[1] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۱۴

(شہاب الدین محمد غوری) نے ۶۰۲ھ میں شہادت پائی۔ اس کے بعد اس کا آزاد کردہ غلام قطب الدین ایبک اُس کے ہندوستانی مقبوضات کا بادشاہ ہوا اور اس طرح حکمرانوں کے ایک نئے سلسلہ کی بنیاد پڑی جو تاریخ میں غلام خاندان (دولتِ مملوکیہ) کے نام سے مشہور ہے۔

محمود کے زمانہ میں فاطمی دعاۃ (پروپیگنڈا کرنے والوں) نے مشرقی ممالک میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔ فاطمی خلیفہ المعز لدین اللہ نے ۳۶۱ھ میں مصر کو فتح کر کے قاہرہ کو تعمیر کیا۔ عباسی خلفاء کی جانب سے عضد الدولہ ابو شجاع پناہ خسرو نے مصر کو فاطمیوں کے قبضہ سے نکالنا چاہا مگر موت نے مہلت نہیں دی اور ۳۷۲ھ میں اُس نے وفات پائی اس سے فاطمی خلیفہ کے حوصلے بڑھ گئے اور اس نے مشرقی ممالک کے تاجداروں کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ عبدالقاہر بغدادی نے لکھا ہے

"فلما قضیٰ فناخسرو نجبہ طمع زعیم مصر فی ملوک نواحی الشرق فکاتبھم یدعوھم الی البیعۃ لہٗ" [1]

عضد الدولہ کی وفات کے بعد فاطمی خلیفہ (عزیز باللہ) نے مشرقی سرداروں کے بادشاہوں کو پھسلانا چاہا اور انہیں اپنی بیعت کے لیے لکھا۔

قابوس بن وشمگیر اور ابو الحسن سیجور نے بڑے تلخ جواب دیئے۔ نوح بن منصور سامانی نے ان فرستادہ داعیوں کو قتل کرا دیا۔ لیکن خوارزم کے حکام نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ محمود نے بھی قرمطی (اسماعیلی) تحریک کے خلاف بڑی متشددانہ روش اختیار کی۔ مصر کے فاطمی خلیفہ کے سفیر کو بڑی بے عزتی سے نکلوا دیا اور جو لوگ اس تحریک سے متاثر تھے اُن کے خلاف سخت کاروائی کی۔ جب خوارزمی امراء نے محمود کے بہنوئی ابو العباس کو قتل کر دیا تو اس نے خوارزم پر حملہ کر کے بہنوئی کے قاتلین کے علاوہ فاطمی دعاۃ کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ عبدالقاہر بغدادی نے لکھا ہے :

"ثم استولیٰ یمین الدولہ امین الملۃ محمود بن سبکتگین علی اقصیٰھم وقتل من کان بھا من دعاۃ الباطنیۃ" [2]

پھر یمین الدولہ امین الملۃ سلطان محمود بن سبکتگین خوارزم کے ملک پر قابض ہو گیا اور وہاں فاطمی (باطنی) دعاۃ کو چن چن کر قتل کر ڈالا۔

ابو علی سیجور اور ابو القاسم حسن بن علی دانشمند جس نے اُسے مذہب کی دعوت دی تھی نیز امیر ک طوسی حاکم ناحیہ تارویہ جو اس دعوت میں داخل ہو گئے تھے بڑی عبرت انگیز سزاؤں کے ساتھ قتل کئے گئے پھر بھی اسماعیلیوں نے ماوراء النہر میں اپنے بہت سے ہم نوا پیدا کر لیے تھے جنہیں ۴۳۶ھ میں بغراخاں نے تہ تیغ کر ڈالا۔ ابن الاثیر لکھتا ہے :

"فی ھذہ السنۃ اوقع بغراخان صاحب ماوراء النھر بجمع کثیر من الاسمٰعیلیہ وکان سبب ذلک ان نفراً منھم قصدوا ماوراء النھر ودعوا الی طاعۃ المستنصر باللہ

۴۳۶ھ میں بغراخاں بادشاہ ماوراء النہر نے اسماعیلیوں کی ایک جماعت کثیر کو قتل کر ڈالا اور اس کا سبب یہ تھا کہ کچھ اسماعیلی ماوراء النہر پہنچے اور فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ حاکم مصر کی اطاعت کی دعوت دینے لگے پس ایک کثیر جماعت نے ان کی پیروی کی۔ اور ان لوگوں نے ایسا مذہب

---

[1] الفرق بین الفرق للبغدادی ص ۲۷۶ [2] الفرق بین الفرق ص ۲۷۷ [3] کامل ابن الاثیر جلد تاسع صفحہ ۱۸

صاحب مصر فتبعہم جمع کثیر وظہرت اماذاھب نکرھا اھل ملک البلاد و سمع ملکہا بخراخا خبرہم"[۱] ظاہر کیا جسے اس ملک کے باشندے مناسب نہیں سمجھتے تھے لوح نصر ثانی کو اس بات کی اطلاع ہوگئی غرض فاطمی دعاۃ نے خراسان و ماوراء النہر میں اپنے مذہب کی بہت کچھ تبلیغ کی مگر وہ سیاسی انقلاب برپا نہ کر سکے البتہ انہوں نے ہندوستان کے اندر چوتھی صدی کے ربع آخر میں بنوسامہ سے ملتان چھین کر جلم بن شیبان کی زیر سرکردگی اسمٰعیلی حکومت قائم کر لی جسے ۴۰۱ھ میں محمود نے ختم کر دیا۔ اس کے بعد وہ منصورہ پر قابض ہوگئے۔ یہاں سے بھی ۴۱۶ھ میں محمود نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ مگر اس کے جانشینوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسمٰعیلی پھر ملتان پر قابض ہوگئے جہاں سے ۵۷۱ھ میں محمد غوری نے انہیں بے دخل کیا لیکن اُن کا پروپیگنڈا خفیہ طور پر بدستور جاری رہا۔ اور ۶۰۲ھ میں ایک قرمطی ہی کے ہاتھ سے محمد غوری نے شہادت پائی۔ دولتِ مملوکیہ میں بھی ان کی تخریبی سرگرمیاں جاری رہیں۔

اس زمانہ میں خراسان و سجستان میں محمد بن کرام کا مذہب مروج تھا۔ پہلے غوری سلاطین بھی اسی مذہب کے پیرو تھے۔ بعد میں وہ حنفی ہوگئے۔ منہاج سراج نے لکھا ہے:

"در اوائل حال آں ہر دو برادر نور اللہ مرقدھما بر طریق مذہب کرامیاں بودند بحکم اسلاف و بلاد۔ اما سلطان معز الدین چوں بہ تخت غزنی نشست داخل آں شہر و مملکت بر مذہب امام اعظم ابو حنیفہ کوفی بودند بموافقت ایشاں مذہب ابی حنیفہؒ اختیار کرد"[۲]

لیکن سلطان غیاث الدین نے حنفی مذہب چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ ابن الاثیر نے اس کے بارے میں لکھا ہے

"بنی المساجد والمدارس بخراسان لاصحاب الشافعی .... کان شافعی المذہب"[۳]

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شافعیت کے ہمراہ اشعریت بھی غوری مقبوضات میں پھیلنے لگی بالخصوص محمد غوری کے زمانہ میں جس کے دربار میں امام فخر الدین رازی کو غیر معمولی رسوخ حاصل تھا۔ ہندوستان پر بھی اس کا اثر پڑنا ناگزیر تھا لہٰذا اگرچہ ہندوستان کا عام مذہب حنفیت تھا مگر بعض علماء و قضاۃ شافعی المذہب بھی تھے۔ اس طرح ماتریدیت کے ساتھ جو احناف کا کلامی مسلک تھا اشعریت کے ساتھ بھی رعایت برتی جاتی تھی۔

ہندوستان کی اسلامی ثقافت منصورہ و ملتان کے بجائے بخارا اور سمرقند کی ثقافی روایات کا تسلسل ہے۔ ماوراء النہر کے ساسانی حکمران اپنے ساسانی اسلاف کی طرح ملک کی معاشرتی تنظیم میں علماء کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ مقدسی نے اُن کی علمی سرپرستی کے بارے میں لکھا ہے:

"ومن رسومہم انہم لا یکلفون اھل العلم تقبیل الارض" ساسانی بادشاہوں میں رسم ہے کہ وہ علماء کو زمین بوسی کی تکلیف نہیں دیا کرتے۔ ماہ رمضان

---

[۱] کامل ابن الاثیر جلد تاسع ص۱۱۱ [۲] طبقات ناصری ص۷۷ [۳] کامل ابن الاثیر جلد دوازدہم صفحہ ۷۰

ولهم مجالس عشيات جمع شهر رمضان للمناظرة بين يدي السلطان فيبدء هو فيسائل مسئلة ثم يتكلمون عليها وميلهم الى مذهب ابي حنيفة ... ويختارون ابداً افقه من بخارا واعفهم فيرفعونه ويصدرون عن رايه ويقضون حوائجه ويولون الاعمال بقوله۔"[1]

میں جمعہ کی راتوں کو بادشاہ کے سامنے مجلسِ مناظرہ منعقد ہوا کرتی ہیں۔ وہ شروع کرتا ہے اور کوئی مسئلہ پوچھتا ہے پھر اس پر طرفین بحث کرتے ہیں۔ اُن کا رجحان حنفی مذہب کی طرف ہے اُن کا طریقہ ہے کہ بخارا میں جو سب سے زیادہ عالم اور پرہیزگار ہوتا ہے اسے منتخب کرکے اس کا درجہ بلند کرتے ہیں اُسی کی رائے کے مطابق احکام جاری ہوتے ہیں۔ اُس کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں اور اُسی کی سفارش سے حکام کو مقرر کرتے ہیں۔

سامانی حکومت کے کھنڈروں پر محمود نے غزنی کی سلطنت قائم کی اور اپنے سامانی آقاؤں کی علم دوستی کی تقلید کی۔ ابن الاثیر لکھتا ہے:

"وصنف له كثير من الكتب في فنون العلم وقصده العلماء من اقطار البلاد وكان يكرمهم ويقبل عليهم ويعظمهم ويحسن اليهم۔"[2]

مختلف علوم میں بہت سی کتابیں اس کے نام پر مختلف فنون کی گئیں اور اطراف و جوانب سے علماء اس کے دربار میں آئے وہ بھی اُن کی عزت کرتا تھا انہیں انعامات سے نوازتا تھا اور ہر طرح ان کے ساتھ احسان کرتا تھا۔

وہ خود باکمال صاحبِ تصنیف تھا۔ "الجواہر المضیہ" میں اسے فقہائے احناف کے اندر محسوب کیا گیا ہے۔ علمی سرپرستی کی یہ روایات اُس کے خاندان میں جاری رہیں حتیٰ کہ جب آلِ سبکتگین کے زوال کے بعد غوری حکمران اُن کے جانشین ہوئے تو انہوں نے بھی ان روایات کو جاری رکھا۔ اور فیروزکوہ (غوریوں کا پایہ تخت) بھی علماء و فضلاء کا مرجع بن گیا۔

"حضرت فیروزکوہ محط رحال ومہبط انوار فضل و افضال شد۔ شعرا رعالی قبلہ حاجات خود آں را دانستند و فضلائے سامی مرتبت روئے بداں آوردند۔"[3]

ابن الاثیر محمد غوری کی علماء نوازی کے بارے میں لکھتا ہے:

"حكي عنه انه كان يحضر العلماء بحضرته فيتكلمون في المسائل الفقهية وغيرها وكان فخر الدين الرازي يعظه في داره۔"[4]

اُس کے بارے میں حکایت کی گئی ہے کہ علماء اس کے دربار میں حاضر ہوتے تھے اور فقہ اور دیگر علوم کے مسائل پر بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے اور امام فخر الدین رازی اُس کے مکان کے اندر وعظ کہا کرتے تھے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ بادشاہِ غزنی کا نائب لاہور میں رہتا تھا اور بعد کے غزنوی فرمانروا مستقل طور سے لاہور میں رہنے لگے لہٰذا پانچویں چھٹی صدی میں لاہور ہندوستان میں اسلامی ثقافت کا مرکز بن گیا اور کچھ ہی دنوں میں یہاں کی خاکِ پاک نے کثیر التعداد افاضل روزگار کو جنم دیا۔ بہت سے باکمال باہر سے مسافرانہ وارد ہوئے مگر لاہور ایسا پسند آیا کہ یہیں کے ہو رہے۔ ان میں سے جن اہلِ فضل و کمال کا تذکرہ تاریخ و تراجم کی کتابوں میں محفوظ رہ گیا ہے ان میں سے

---

[1] احسن التقاسیم صفحہ ۳۳۸ [2] کامل لابن الاثیر جلد نہم ص۱۳۹ [3] لباب الالباب عوفی جلد اول ص۱۲۱ [4] کامل لابن الاثیر جلد دوازدہم ص۲۴

بعض یہ ہیں :

ابوریحان البیرونی : کتاب الہند اور قانون مسعودی نیز متعدد کتابوں کا مصنف

نظام الدین ابونصر ہبۃ اللہ الفارسی : " وزیرے صاحب کفایت فایض درایت وافر فضل شامل بذل، در دولت سلطان رضی ابراہیم (۴۵۱ - ۴۸۱ھ) کارہا بزرگ کردہ .... خانقاہ عمدہ در لوہور یکے از خیرات اوست "[۱]

ابوالعلاء عطاء ابن یعقوب الکاتب : "سلطان رضی ابراہیم .... مر عمید عطاء را بہندوستان شہر بند فرستادہ بودند .... دراں وقت کہ رایات دولت سلطان رضی ابراہیم تغمدہ اللہ برحمتہ بہندوستان آمد و در لوہور شہر بند بود ...... ایں قصیدہ در مدح سلطان بہ پرداخت

...... بے گنہ ماندہ ہشت سال بہند ‌ ‌ چوں گنہگار در عذاب الیم "[۲]

مخدوم سید علی ہجویری ثم اللاہوری : " داتا گنج بخش کے نام سے موسوم ہیں۔ کشف المحجوب کے مصنف ہیں جو فن تصوف میں ادبیات عالیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۴۶۵ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ کشف المحجوب سے پہلے ایک کتاب بنام منہاج الدین تصنیف فرمائی تھی۔ فارسی کا دیوان بھی تھا مگر دونوں چوری چلے گئے۔

سید الکتاب جمال الدین علی لاہوری : "حصول فضل و کمال کے بعد نیشاپور چلے گئے جہاں ملک مویدکے دیوان انشا کے مہتمم ہو گئے وہیں عوفی سے ملاقات ہوئی۔[۳]

سراج الدین فصیح العجم ابن المنہاج اللوہوری : " اگرچہ مولد او در لوہور بود اما منشاء او سمرقند بود "[۴] جب ۵۸۳ھ میں محمد غوری نے لاہور فتح کیا تو قاضی لشکر مقرر ہوئے۔ وہ منہاج سراج صاحب طبقات ناصری کے والد تھے۔

ثقۃ الدین جمال الفلاسفہ یوسف بن محمد الدربندی : " بو فور فضائل مشہور و بفنون کمال مذکور ..... در دولت خسرو ملک آسایشہا دید ... آخر الامر .... دست از اشغال سلطان بازکشید ...... یکے از مزارہائے بزرگ در خطہ لوہور تربت اوست "[۵]

خطیر الدین فخر الزماں محمد بن عبد الملک الجرجانی : " از مشائخ خطہ لوہور بود و از افاضل اماثل جمہور در فضل و براعت ازہری و بو عبید و در صفا و زہدت شبلی و جنید "[۶]

امام مجد الدین : " امروز خطہ لوہور بمکان فضل و بزرگی امیر امام مجد الدین .... معمور است و تصانیف او در انواع علوم از منقول و معقول مشہور است "[۷]

الامام الاجل ابوجعفر عمر بن اسحاق الواشی : " از ائمہ و علماء لوہور بکمال دانش و بزرگی و فضل مشہور بود "[۸]

ان اکابر کے علاوہ جن کا تذکرہ لباب الالباب عوفی سے ماخوذ ہے سمعانی نے کتاب الانساب میں لاہور کے اور فقہا رو

---

[۱] لباب الالباب عوفی جلد اول ص۲۷ [۲] ایضاً ص۴۳ و ۴۶ [۳] ایضاً ص۱۲۱ [۴] ایضاً ص۲۸۴ [۵] ایضاً صفحہ ۱۰۶
[۶] ایضاً ص۲۳۲ [۷] ایضاً ص۲۳۲ [۸] ایضاً ص۲۸۵

محدثین کا ذکر کیا ہے مثلاً عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اللاہوری، ابوالحسن علی بن عمر اللاہوری، محمود بن محمد اللاہوری وغیرہ۔ یاقوت نے معجم البلدان میں ایک اور لاہوری فقیہہ و محدث عمرو بن سعید اللاہوری کا ذکر کیا ہے۔[1]

لاہور کی ثقافی عظمت کے باوجود سندھ کی علمی سرگرمیاں ختم نہیں ہوئیں۔ سمعانی نے منصورہ کے فضلاء میں سے احمد بن محمد التمیمی المنصوری کا ذکر کیا ہے۔

پانچویں چھٹی صدی کے علماء کا تذکرہ امام رضی الدین ابوالفضائل الحسن بن محمد ابن الحسن بن حیدر بن علی بن اسمٰعیل القرشی العدوی العمری کے بغیر نامکمل رہے گا۔ وہ ۵۷۷ھ میں لاہور کے اندر پیدا ہوئے۔ غزنی میں پرورش پائی اور ۶۱۵ھ میں بغداد چلے گئے جہاں سے خلیفہ عباسی نے اپنا سفیر بنا کر ۶۱۷ھ میں ہندوستان بھیجا اور وہ یہاں ۶۳۷ھ تک رہے بعد ازاں بغداد لوٹ گئے جہاں ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔ متعدد مہتم بالشان تصانیف یادگار ہیں جن میں سے مشارق الانوار خاص طور سے مشہور ہے۔

لیکن لاہور کی اس مردم خیزی کے باوجود یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ پانچویں چھٹی صدی میں پنجاب اور خراسان کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں تھی۔ لاہور سے لیکر ہرات تک ایک ہی ملک تھا اور غزنی اور لاہور کے علماء میں امتیاز بہت ہی مشکل تھا۔ اس لیے اس عہد کی ہندوستانی ثقافت سے غزنی کے باکمالوں کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی تفصیل تو موجب تطویل ہو گی۔ صرف انہیں افاضل کے نام لکھے جاتے ہیں جنہیں خصوصیت سے علم کلام میں درک حاصل تھا۔

محمد بن الفضل البلخی: اپنے عہد کے مشہور مفسر تھے۔ اہل سنت کے معتقدات پر ایک کتاب بنام "کتاب الاعتقاد" لکھ کر سلطان محمود کے نام معنون کی۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ "علم عقل سے بہتر ہے اور جو عقل کو علم سے افضل کہتا ہے وہ معتزلی ہے کیونکہ علم مقصود بالذات ہے اور عقل حصول علم کا آلہ ہے۔"[2]

عمر بن ابی بکر بن محمد الغزنوی ابوحفص: اقضی القضاۃ تھے۔ علم کلام اور فقہ میں مستند امام سمجھے جاتے تھے۔[3]

احمد بن محمد بن محمود ابن سید الغزنوی: امام کاشانی صاحب بدائع صنائع کے درس میں معید کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ایک جماعت کثیرہ نے اُن سے علم حاصل کیا۔ فقہ و اصول میں متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں، روضۃ المتکلمین کے نام سے علم کلام میں ایک کتاب لکھی بعد میں اسے "المنتقیٰ من روضۃ المتکلمین" کے نام سے مختصر کیا۔

مخدوم سید علی ہجویریؒ کی کشف المحجوب تصوّف کی کتاب ہے تاہم جابجا کلامی ابحاث بھی آگئی ہیں، اگرچہ انداز بیان متکلمانہ نہیں ہے مثلاً کشف الحجاب الاول فی معرفۃ اللہ تعالیٰ میں فرماتے ہیں:

---

[1] معجم البلدان لیاقوت الحموی جلد سابع صفحہ ۳۴۵ [2] الجواہر المضیئہ جلد دوم صفحہ ۱۱۱ [3] ایضاً جلد اول صفحہ ۳۸۹

"فصل بداں اسعدک اللہ تعالیٰ کہ مردماں را اندر معرفت خداوند وصحت علم بہ واختلاف بسیار است۔ معتزلہ گویند کہ معرفت وے عقلی است وجز عاقلے را معرفت بدو روا نباشد و ایں قول باطل است . . . . اگر عقل معرفت را علت بودے ایشاں را کہ عقل نیست حکم معرفت نبودے . . . . دگروہے گویند کہ علت معرفت حق تعالیٰ استدلال است وبجز مستدل مارا روا نباشد و باطل است ایں قول بابلیس کہ او آیات بسیار دید . . . . و رویت آں ہمہ وے را علت معرفت نیامد ۔"

ور آخر میں فرماتے ہیں

"علم بندہ ومعرفت وے بخداوند خبر باعلام و ہدایت ازلی حق نیست ۔"[1]

اسی طرح "کشف الحجاب الثانی فی التوحید" میں فرماتے ہیں

"بدانکہ خداوند تعالیٰ یکے است کہ وصل وفصل نپذیرد و دوی بر وے روا نباشد و یگانگی وے عددی نیست تا با ثبات دیگر عدد دو گردد ۔"[2]

اس توضیح کا امام ابوحنیفہؒ کی توضیح سے مقابلہ کیجئے جو انہوں نے "الفقہ الاکبر" میں توحید باری کے ضمن میں فرمائی ہے۔

اسی طرح دیگر مسائل کلامیہ کو باسلوب بدیع واضح فرمایا ہے مثلاً "الکلام فی اثبات الولایۃ"، "الکلام فی اثبات الکرامۃ"، "الکلام فی الفرق بین المعجزات والکرامات"، "الکلام فی تفضیل الانبیاء علی الاولیاء"، "الکلام فی تفضیل الانبیاء والاولیاء علی الملائکۃ" وغیرہا۔ یہ خالص کلامی ابحاث ہیں مگر متکلمین کے رسمی استدلال کی طرح ان کا اسلوب بے جان نہیں ہے بلکہ مرشدانہ و رہبرانہ ہے۔ مزید تفصیل سے بخوف طوالت صرف نظر کیا جاتا ہے۔

دولت مملوکیہ

محمد غوری نے ۶۰۲ھ میں شہادت پائی۔ ہندوستان میں اس کا جانشین قطب الدین ایبک ہوا جس نے حکمرانوں کے ایک نئے سلسلے (دولت مملوکیہ) کی بنیاد ڈالی۔ قطب الدین نے ۶۰۷ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد کچھ دن اس کا بیٹا آرام شاہ بادشاہ رہا، پھر شمس الدین التمش امرائے دہلی کے مشورے سے تخت نشین ہوا۔ اس کا خاندان ۶۶۳ھ تک تخت دہلی پر متمکن رہا۔ بعد ازاں التمش کے "غلامان چہلگانی" میں سے بلبن تخت نشین ہوا۔ اُسے "روح کسریٰ کا بروز" کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اُس کے تخت پر بیٹھتے ہی قباد وخسرو کی شوکت وسطوت کی بھولی ہوئی یاد تازہ ہوگئی مگر سدا رہے نام اللہ کا۔ بلبن نے بھی ۶۸۵ھ میں فرشتۂ اجل کے سامنے سپر ڈال دی۔ اُس کی وفات پر خودغرض امرا نے اس کے نوجوان پوتے کیقباد کو تخت دہلی پر بٹھا دیا اور اس نے اہل غرض کے کہنے سننے میں آکر وہ تمام حرکتیں شروع کر دیں جو نظم

---

[1] شرح فقہ اکبر للملا علی قاری ص ۱۴۱

با سباب دنیوی کسی مملکت کے زوال کے لیے ضروری ہیں اور نتیجہ وہی ہوا جو ان حالات میں ہوا کرتا ہے۔ فرمانروائے ملک کی عیش پرستی، تمکراہ امراء کی باطل پرستی اور وفادار اراکین سلطنت کی بد دلی نے مل کر ۶۸۸ھ میں کیقباد ہی کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ بلبن کا خاندان اور سلاطین مملوکیہ کا سلسلہ بھی

نسب نامۂ دولتِ کیقباد ورق بر ورق ہر سوئے بُرد باد

کا مصداق ہوگیا۔

ان سلاطین نے محض کشور کشائی اور ملک گیری ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علم و فن کی سرپرستی پر بھی خاص طور سے توجہ کی۔ التمش کے بارے میں قاضی منہاج سراج نے لکھا ہے

"غالب ظن آن ست کہ ہرگز با دشاہے بحس اعتقاد و آب دیدہ و تعظیم علماء و مشائخ مثل او از مادر خلقت در قماط سلطنت نیامدہ" [1]

سلطان ناصرالدین محمود کے متعلق نظام الدین ہروی نے لکھا ہے

"بادشاہ عادل و خداترس و درویش طبیعت بود۔ علماء و صلحاء را دوست داشتے و اکابر و افاضل را نوازش فرمودے" [2]

اسی طرح بلبن کے متعلق لکھا ہے

"بے حضور علماء و صلحاء دست بطعام نبردے و در وقت طعام خوردن مسائل شرعی از علماء تحقیق نمودے و در خانہ ہائے بزرگان رفتے" [3]

چنانچہ وہ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ شیخ برہان الدین بلخی، شیخ سراج الدین سجزی اور شیخ نجم الدین دمشقی کے مکان پر جایا کرتا اور ان کی صحبت سے مستفید ہوا کرتا تھا۔

اس زمانہ کے مشہور مدارس جن کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے حسب ذیل تھے: اُچہ (سندھ) میں مدرسہ فیروزی اور دہلی میں مدرسہ ناصریہ اور مدرسہ معزی (نزانہ دل کے بازار میں)۔ ان کے علاوہ سلاطین و امراء نے دیگر مقامات میں بھی مدارس تعمیر کئے تھے چنانچہ نظام الدین ہروی نے بختیار خلجی کے متعلق لکھا ہے:

"ملک بختیار الدین خلجی ..... شہر ندیا را خراب ساختند و عوض شہر آں دیگر موضع کہ لکھنوتی بودہ است بنا نہادہ ... مساجد و خوانق و مدارس بجائے معابد احداث نمودہ" [4]

سلاطین و امراء کی سرپرستی کے علاوہ بین الاقوامی حالات نے بھی دہلی کو عروس البلاد بنا دیا۔ فتنۂ تاتار کی وجہ سے عالم اسلام

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۶۷ [2] طبقات اکبری ص ۳۵ [3] ایضاً ص ۳۹ [4] ایضاً ص ۲۳

میں رستخیز برپا تھی۔ عراق و ایران اور خراسان و ماوراء النہر کے علماء امن کی تلاش میں دہلی چلے آرہے تھے۔ سلاطین دہلی بالخصوص التمش کی علماء نوازی نے بھی اقصائے عالم سے اہل کمال کو ہندوستان کھینچ لیا تھا۔ قاضی منہاج سراج نے لکھا ہے:

"ایں شہر بکثرت انعامات وشمول کرامات آں پادشاہ دیندار محط رحال آفاق گشت و مرکز از حبائل حوادث بلاد عجم و نکبات کفار مغل بفضل ایزدی خلاص یافت ملاذ و ملجائے و مہرب و مامن حضرت جہاں پناہ آں پادشاہ ساخت۔"[1]

دہلی کے علاوہ علم و ادب کے متعدد مراکز تھے: اُچھ (سندھ)، ملتان، لاہور، بدایوں، لکھنوتی (بنگالہ)، نہر والہ (گجرات)۔ سب سے بڑا مرکز دہلی تھا جہاں بے شمار علماء مدارس سلطانی میں اور اُن کے علاوہ دیگر مقامات میں افادہ و تدریس کے اندر مشغول تھے۔ عہد قطبی میں قاضی وجیہہ الدین کاشانی، صدر الدین محمد بن الحسن النظامی النیشاپوری اور قاضی حمید الدین علی بن عمر المحمودی خاص طور سے مشہور ہیں۔ محمد بن حسن نیشاپوری نے "تاج المآثر" تصنیف کی۔ علی بن عمر المحمودی کے بارے میں عوفی نے لکھا ہے

قدوۂ افاضل عصر و والی و متصرف بر ولایت نظم و نثر...... در دولت سلطان شہید قطب الدنیا والدین ایبک السلطان تغمدہ اللہ برحمتہ و غفرانہ آسایشہا دیدہ...... رسالات و منشآت او دریں بلاد مشہور است و بر زبانہا فضلا مذکور و قصائد او غلائد نحور فضائل و تمائم بازوئے افاضل را شاید۔"[2]

عہد شمسی میں ملا عماد الدین و ملا جلال الدین کا نام سننے میں آتا ہے جن سے قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا حلت و حرمت سماع کے باب میں مناظرہ ہوا تھا۔ بلبن کے زمانے میں بہت سے علماء کا نام ملتا ہے مثلاً منہاج الدین علی بن اسحاق البخاری اور ان کے صاحبزادے بدر الدین اسحاق بن علی، ابوبکر بن یوسف السنجری، برہان الدین بزار، برہان الدین نسفی، حسام الدین ماریکلی، قاضی منہاج سراج، قاضی رفیع الدین گاذرونی، ظہیر الدین دہلوی، شیخ محمد بن احمد ماریکلی، قاضی محمد بن عطا ناگوری، برہان الدین محمود بن ابی الخیر بلخی، شمس الدین مراخی، شمس الدین خوارزمی، عبدالعزیز بن محمد دمشقی، رکن الدین ساماتوی، سدید الدین دہلوی، شرف الدین ولوالجی، وغیرہم۔ دیگر مقامات میں بھی علماء و فضلاء کا درس و افادہ جاری تھا مثلاً لاہور میں شرف الدین احمد دماوندی، زکی بن احمد لاہوری، شہاب الدین احمد وجی، عزیز الدین لاہوری، مجد الدین لاہوری اور محمد بن مامون لاہوری۔ ملتان میں شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، قطب الدین کاشانی، منہاج الدین ترمذی، سندھ میں قاضی اسمٰعیل بن علی سندی، شیخ حسین بن علی بخاری، علی بن حامد کوفی۔ بدایوں میں شیخ بدر الدین بدایونی، شیخ حسن بدایونی، قاضی

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۶۶ [2] لباب الالباب عوفی ص ۲۰۳

حسام الدین ملتانی، زین الدین بدایونی، سراج الدین ترمذی، شہاب الدین بدایونی، کمال الدین جعفری (صاحب کتاب المغنی)، علاء الدین اصولی (اُستاد شیخ نظام الدینؒ)۔ بنگال میں شرف الدین دہلوی، صمصان الدین فرغانی، نظام الدین فرغانی۔ اور گجرات میں یعقوب بن نہروالی۔

یہ علماء وقت کے تمام علوم مروجہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے بالخصوص فقہ و اصول فقہ میں۔ ان میں مولانا علاء الدین بدایونی کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے وہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مرید اور شیخ نظام الدینؒ کے استاد تھے اور اصول فقہ میں دستگاہ کامل رکھنے کی وجہ سے "اصولی" کے لقب سے مشہور تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے

"مولانا علاؤ الدین اصولی بدایونی بغایت بزرگ بود و کامل بود و از استادان شیخ نظام الدین بود۔ در خیر المجالس می نویسد کہ شیخ نظام الدین قدوری پیش مولانا علاء الدین تمام کرد۔" [1]

اصول و کلام میں چولی دامن کا ساتھ ہے اس لیے یہ علماء کبار علم کلام میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہوں گے مگر تاریخ نے حسب ذیل افاضل کے متعلق علم کلام میں تبحر کی تصریح کی ہے

قاضی وجیہ الدین کاشانی: سلطان قطب الدین ایبک کے عہد میں قاضی القضاۃ تھے۔ فقہ، اُصول، کلام اور عربیت میں دستگاہ عالی رکھتے تھے۔

شیخ عبدالعزیز بن محمد دمشقی: علوم حکمیہ میں امام فخر الدین رازی کے شاگرد تھے۔ فتنۂ تاتار میں ہندوستان آئے۔ بلبن ان کا بیحد معتقد تھا اور ہر جمعہ کو اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ معقولات میں کمال رکھتے تھے۔

قاضی محمد بن عطاء ناگوری: التمش ان کا بہت زیادہ ادب و احترام کرتا تھا۔ ملا عماد الدین و ملا جلال الدین سے حلت و حرمت سماع کے باب میں ان کے مناظرے کا اوپر تذکرہ آچکا ہے۔ لوائح کے علاوہ اسماء حسنیٰ کی شرح میں انہوں نے طوالع الشموس دو جلدوں میں لکھی تھی۔

قاضی حمید الدین ناگوری کی طوالع الشموس کے علاوہ تاریخ نے ان افاضل روزگار کی دیگر کلامی مصنفات کے نام بھی محفوظ نہیں رکھے۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ اُس زمانہ میں عقائد و کلام کے اندر ابوشکور سلمیؒ کی "التمہید" کا رواج تھا چنانچہ شیخ نظام الدین اولیاء نے شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے اس کتاب کو سبقاً سبقاً پڑھا تھا۔ اس لیے ضرور ہے کہ علماء و مدرسین نے طلبہ و دیگر شائقین علم کی سہولت تعلیم و تعلم کے لیے کم از کم "التمہید" پر تعلیقات و حواشی تحریر فرمائے ہوں جو شاید حوادث کی نذر ہو گئے۔ اس زمانہ میں نزاعی مسئلہ سماع کی حلت و حرمت کا تھا۔ عامۂ فقہاء حرمت کے قائل تھے اور صوفیاء کے علاوہ وہ علماء بھی جو ان سے عقیدت رکھتے تھے حلت کی جانب رجحان رکھتے تھے۔ (باقی آئندہ)

---

[1] اخبار الاخیار ص ۷۷